شہاب الدین مقتول اور فلسفۂ مشائیت

(۴)

جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم اے۔ ایل ایل بی۔ پی ایچ ڈی۔ رجسٹرار امتحانات
عربی و فارسی (اُتر پردیش)

اشراقی اعظم کا مفروضہ

حکیم صاحب نے شہاب الدین سہروردی مقتول کے مشائی نہ ہونے کے ثبوت میں دوسری دلیل یہ دی ہے:۔

"شیخ شہاب الدین مقتول مشائی نہیں بلکہ اشراقی ہے اور معمولی اشراقی بھی نہیں بلکہ شیخ الاشراق کے لقب سے مشہور ہے۔ اس کو مشائیوں کی صف میں کھڑا کر دینا اُس پر سخت ظلم ہے۔"

مسئلہ شہاب الدین مقتول کی مشائیت و اشراقیت کا ہے۔ "اشراقِ اعظم" ہوں یا "شیخ الاشراق" جو بھی ہوں بہرحال وہ اشراقی ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ "مصادرہ علی المطلوب" ہے یا پھر دعویٰ بلا دلیل ہے۔

اور اگر یہ دعویٰ شہرت بین العوام پر مبنی ہے کہ شیخ شہاب الدین مقتول عوام میں "شیخ الاشراق" کے لقب سے مشہور ہے اس لئے وہ اشراقی ہے تو پھر "فیہ ما فیہ" پھر مسئلہ کو فاضل مقالہ نویس کی تلخیٔ تنقید نے اہم بنا دیا ہے، ایک علامہ دوراں کی جانب ظلم کا انتساب کیا جا رہا ہے اس لئے اس دعوائے انتساب کو برہانی مقدمات سے موید و مشید کرنا ہوگا نہ کہ محض مقدمات مشہورہ سے۔ عوام کی خوش فہمی اور عقیدت مندی اس قسم کے اہم مسائل کے تصفیہ میں کوئی مفید امداد نہیں دے سکتی۔ اگر شراحِ حکمۃ الاشراق یا شروحِ حکمۃ الاشراق کے محشیوں نے شہاب الدین مقتول کو "شیخ الاشراق" کہا تو کیا ہوا۔ لوگ تو اُسے "بانیِ اشراق" بتانے میں بھی تامل نہیں کرتے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد یوسف کوکن صاحب نے جو حکیم صاحب کے مکتوب گرامی کے مرسل الیہ ہیں، شرح ہیاکل النور کے انگریزی مقدمے میں لکھا ہے:۔

" Suhrawardi founded a new school of Philo-sophy among the Muslims, known as the philosophy of Ishraq (illumination). Hence he is styled as Shaikh-al-Ishraq. His principal works, on this subject of the philosophy of illumination are his two Books Hayakil-al-Nur (Temples of Light) and (Hikmat-al-Ishraq) (philosophy of illumination) "

(سہروردی نے مسلمانوں میں فلسفہ کے ایک نئے مکتبِ فکر کی بنیاد ڈالی جو فلسفۂ اشراق کے نام سے مشہور ہے۔ اسی لئے اُسے شیخ الاشراق کہا جاتا ہے۔ اس فلسفۂ اشراق کے موضوع پر اس کی اہم تصانیف دو ہیں۔ ہیاکل النور اور حکمۃ الاشراق)

لیکن واقعہ یہ ہے کہ نہ تو شہاب الدین مقتول بانیٔ "اشراق" تھا اور نہ (لغوی معنوں میں) "شیخ الاشراق" اور چونکہ یہ دونوں دعوے ایک دوسرے سے قریبی تعلق رکھتے ہیں اس لئے مستحسن معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس خوش فہمی کا جائزہ لیا جائے کہ سہروردی "بانیٔ اشراق" تھا۔

<u>اشراقی فلسفہ کا آغاز وارتقا</u> اشراقی فلسفہ کو "فلسفۂ مشرقیہ" (یا الحکمۃ المشرقیہ) بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ حکماء مشرق کا امتیازی فلسفہ تھا۔ چنانچہ قطب الدین شیرازی نے شرح حکمۃ الاشراق میں لکھا ہے:-

"حکمۃ الاشراق ای الحکمۃ الموسسۃ علی الاشراق الذی ھو الکشف او حکمۃ المشارقۃ الذین ھم اھل فارس وھو ایضًا یرجع الی الاول لان حکمتھم کشفیۃ

حکمۃ اشراق یعنی وہ حکمۃ جس کی بنیاد اشراق پر ہے وہ اشراق جس کی حقیقت "کشف" ہے حکمۃ اشراق کے دوسرے معنیٰ "اہل مشرق کی حکمت" ہیں اور اہل مشرق سے مراد اہل فارس ہیں اور یہ دوسرے معنی پہلے ہی معنیٰ کی طرف راجع

ذوقية فنسبت الى الاشراق الذى هو ظهور الانوار العقلية ولمعاتها و فيضانها بالاشراقات على الانفس عند تجردها وكان اعتماد الفارسيين فى الحكمة على الذوق والكشف" [51]

ہوجاتے ہیں کیونکہ اہل مشرق کی حکمت کشفی اور ذوقی تھی اس لئے یہ اشراق کی طرف منسوب ہوگئی جو انوار عقلیہ کا ظہور و لمعان ہوا اور عالم تجرد میں نفوس قدسیہ پر اشراقات کے ساتھ انوار عقلیہ کا فیضان ہوتا ہے۔ اور حکمت کے باب میں اہل فارس کا اعتماد ذوق اور کشف پر تھا۔

خود شہاب الدین سہروردی نے حکمۃ الاشراق میں لکھا ہے کہ اس اشراقی فلسفہ کے بانی ایرانی حکماء جاماسپ، فرشادشور، بزرجمہر اور اُن کے پیشرو تھے

وعلى هذا يبتنى قاعدة الاشراق فى النور والظلمة التى كانت طريقة حكماء الفرس مثل جاماسف وفرشادشور وبوزرجمهر ومن قبلهم" [52]

اسی اصول پر نور و ظلمت میں اشراق کے قاعدے کی بنیاد قائم ہے جو جاماسپ، فرشادشور، بزرجمہر اور اُن کے پیشرو جیسے حکمائے فارس کا طریقہ تھا۔

سہروردی کا یہ قول کہاں تک حقیقت ہے اور کہاں تک افسانہ، اس کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایرانِ قدیم کا فلسفیانہ سرمایہ دستبردِ حوادث بالخصوص سکندر کے حملہ کی نذر ہو چکا ہے۔ شارح قطب الدین شیرازی لکھتے ہیں۔

وقد اتلف حكمهم حوادث الدهر واعظمها زوال الملك عنهم واحراق الاسكندر من كتبهم" [53]

حوادث دہر نے اُن حکمتوں کو تلف کر ڈالا ہو اور ان حوادث میں سب سے بڑا حادثہ ملک و حکومت کا اُن کے ہاتھوں سے نکل جانا اور اسکندر کا اُن کی کتابوں کو جلا دینا تھا۔

اسی طرح ابن ابی اُصیبعہ نے امیر مبشر بن فاتک کی "مختار الحکم و محاسن الکلم" سے نقل کیا ہے۔

ان الاسكندر لما ملك مملكة دارا واحتوى على فارس احرق كتب دين المجوسية وعمد الى كتب النجوم والطب والفلسفة فنقلها الى

سکندر جب دارا کی سلطنت پر قابض ہوگیا اور ایران میں اُس کا اقتدار مسلّم ہوگیا تو اُس نے مجوسی مذہب کی کتابیں جلا ڈالیں اور نجوم، طب اور فلسفہ کی کتابوں کا قصد کیا۔

[51] شرح حکمۃ الاشراق ص ۱۲۔ [52] ایضاً ص ۱۸۔ [53] ایضاً ص ۱۹

اللسان الیونانی وانفذھا الی بلادہ و احرق اصولھا" [۱]	پس انھیں یونانی زبان میں ترجمہ کرایا۔ ان ترجموں کو اس نے اپنے وطن بھیج دیا اور اصل فارسی کتابوں کو جلا ڈالا۔

اس طرح چوتھی صدی قبل مسیح میں ایران تباہ و برباد ہو گیا اور تقریباً چھ سو سال تک طوائف الملوکی کا گہوارہ بنا رہا تاآنکہ ۲۲۶ء میں اردشیر بابکان نے ایران کی کھوئی ہوئی عظمت کو زندہ کیا۔ اس نے نہ صرف ایران کی سیاسی عظمت ہی کا احیاء کیا بلکہ اس کی تہذیبی عظمت کو بھی بحال کرنے کی کوشش کی ابن الندیم نے لکھا ہے :-

"ملک اردشیر بن بابک .... فبعث الی بلاد الھند والصین فی کتب التی کانت قبلھم والی الروم ...... وفعل ذلک من بعدہ ابنہ سابور حتی نسخت تلک الکتب کلھا بالفارسیۃ" [۲]	اردشیر بن بابک بادشاہ ہوا .... تو اس نے ہندوستان اور چین میں جو کتابیں تھیں انھیں منگایا اور روم (یونان) سے کتابیں منگائیں ..... اس کے بعد اس رسم کو اس کے بیٹے شاپور نے جاری رکھا۔ اس طرح تمام غیر زبانوں کی کتابوں کے ترجمے فارسی میں ہو گئے۔

اسی طرح انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا ایک آرٹیکل نویس "Persia" کے زیر عنوان لکھتا ہے:-

"شاپور اول نے جو زیادہ وسیع النظر معلوم ہوتا ہے، مذہبی تصانیف میں طب، ہیئت، ریاضی، فلسفہ، حیوانیات وغیرہ کے موضوعوں پر علمی کتابوں کا اضافہ کیا جو ہندوستانی و یونانی مصادر سے ماخوذ تھیں۔" [۳]

بہر حال شہاب الدین سہروردی کے محررہ بالا قول سے اتنا تو ثابت و محقق ہے کہ اس مخصوص "فلسفۂ اشراق" کا بانی و موسس وہ (شہاب الدین سہروردی مقتول) نہیں تھا بلکہ وہ قدیم حکمائے ایران کو اس کا بانی و علمبردار سمجھتا ہے جن سے اسے قدیم حکماء یونان نے لیا۔

پھر جیسا کہ مبشر بن فاتک سے ابن ابی اصیبعہ نے نقل کیا ہے، یہ بات محض افسانہ ہی نہیں ہے بلکہ بڑی حد تک حقیقت ہے کہ حکماء یونان نے اپنی فلسفیانہ تفکیر میں ایرانی فلسفہ و حکمت سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے،

---

[۱] طبقات الاطباء جلد اول ص ۹ ۔ [۲] الفہرست لابن الندیم ص ۳۴۴ [۳] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ہفدہم ص ۴۱۴

چنانچہ سرجارج کارنوال لیوس نے متعدد مورخینِ قدیم کے حوالے سے لکھا ہے کہ فیثاغورث (جو سب سے پہلا یونانی حکیم ہے جس نے خود کو "فلسفی" کے لقب سے موسوم کیا) نے مصر و بابل کے علاوہ "دانشمندانِ ایران" سے بھی کسب فیض کیا تھا:

"Strabo informs us that pythagoras visited Egypy and Babylon for scientific purposes, and Cicero, that he visited Egypt and the persian Magi..... philostratus in his life of Apollonius, likewise speaks of pythagoras as having held intercourse with Magi.... According to porphyry the received account of pythagoras was that he learnt ascetic observances from the Magi" (History of Ancient Astronomy P. 270.

(اسٹرابو کہتا ہے کہ فیثاغورث نے علم و حکمت کی غرض سے مصر اور بابل کا سفر کیا تھا۔ سسرو کہتا ہے کہ وہ مصر گیا تھا نیز ایرانی مغوں کی خدمت میں بھی حاضر ہوا تھا.... فلاسٹراٹوس "حیات اپلونیوس" میں کہتا ہے کہ فیثاغورث نے مغوں سے استفادہ کیا تھا.... فرفوریوس کے نزدیک فیثاغورث کی زندگی کا یہ مسلم الثبوت واقعہ تھا کہ اس نے .... آدابِ زہد و اتقا مغوں (ایرانی حکماء) سے سیکھے تھے۔)

ان تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم یونان کا باطنی (عرفانی Esoteric) فلسفہ ایرانِ قدیم سے ماخوذ تھا اور سکندر کے عہدِ حکومت سے کہیں پہلے حکماء یونان اپنے باطنی فلسفہ کے لئے ایرانی حکماء کے رہینِ احسان تھے جن کا فلسفہ "فلسفۂ اشراق" تھا۔

بہرحال فیثاغورث ہی کے سلسلہ تلمذ میں افلاطون بھی منسلک ہے، وہ پہلے سقراط کا شاگرد تھا اور اسی کے منہاج پر گام زن تھا مگر اس کی وفات پر اٹلی چلا گیا جہاں وہ پیروانِ فیثاغورث سے بہت کچھ متاثر ہوا، چنانچہ دوران (Durant) "حکایت فلسفہ" میں لکھتا ہے

"پھر وہاں (مصر) سے وہ سسلی اور اٹلی کو گیا، وہاں پر کچھ عرصہ کے لئے اس مدرسہ یا مذہب میں شریک ہو گیا جس کی فیثاغورث نے بنیاد ڈالی تھی۔ اور اس کے اثر پذیر ذہن پر ایک بار پھر ایک ایسی چھوٹی جماعت کا نقش قائم ہوا جو علم و حکومت کے لئے علیحدہ کر دی گئی ہو اور جو باوجود قوت کے سادہ زندگی بسر کرے۔" [۵۱]

فیثاغورثی فکر ہی پر افلاطون نے اپنی تفکیر کی بنیاد رکھی (ا) فیثاغورث کے نزدیک اصل کائنات و مبدءِ موجودات اعداد و مقادیر ہیں، افلاطون کے نزدیک کلیات مجردہ (اعیان ثابتہ یا امثال افلاطونی) (ب) فیثاغورث کی طرح افلاطون بھی تناسخ کا قائل ہے اور (ج) فیثاغورثیوں نے سیاست و فلسفہ کو باہم ملا لیا تھا اس لئے وہ حکمراں طبقہ میں مبغوض تھے۔ افلاطون بھی سیاسی اقتدار فلاسفہ کے ہاتھ میں دیکھنا چاہتا ہے۔

اور اسی قسم کے خیالات سہروردی کے بھی ہیں:۔ (ا) وہ بھی امثال نوریہ کا قائل ہے (ب) اس کا بھی تناسخ کی طرف رجحان ہے اور (ج) وہ بھی حکیم کامل (متوغل فی التالہ والبحث) ہی کو عالم عنصری کی ریاست کا مستحق سمجھتا ہے۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے فکری مماثلات تھے (جن کا استقصا موجب تطویل ہوگا) جن کی بنا پر سہروردی افلاطون کو بھی حکمت اشراقیہ کے موسّسین میں محسوب کرتا ہے چنانچہ وہ اس اشراقی حکمت (علم الانوار) کے قدیم علمبرداروں کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"وهو ذوق امام الحكمة ورئيسنا افلاطن صاحب الايد والنور وكذا من قبله من زمان والد الحكماء هرمس الى زمانه اى زمان افلاطن من عظماء الحكماء واساطين الحكمة مثل انباذقلس وفيثاغورث وغيرهما" [۵۲]	اور یہی ہمارے رئیس اور امام حکمۃ افلاطون جسے نعمہائے ظاہری و سعادات باطنی حاصل تھیں اس کا ذوق ہے اور اسی طرح ان حکماء کا جو افلاطون سے پہلے تھے یعنی حکماء کے جد امجد ہرمس سے لیکر افلاطون کے زمانہ تک مثل انبذقلیس و فیثاغورث اور ان کے علاوہ دیگر حکماء عظیم الشان اور اساطین حکمت کا۔

---

[۵۱] حکایت فلسفہ از دوران ص ۲۶ [۵۲] شرح حکمۃ الاشراق ص ۱۶

افلاطون کا شاگرد ارسطو ہے جو متفقہ طور پر فلسفۂ مشائیت کا بانی ہے۔ افلاطون و ارسطو کے فکری نظاموں میں مواد کے علاوہ مناہج کا بھی فرق ہے اگرچہ بعد کے مشائی اور افلاطونی فلاسفہ نے اس بات پر انتہائی زور دیا ہے کہ دونوں میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے جو بھی اختلافات ہیں نام کے ہیں یا تعبیری ہیں۔

ارسطو کے بعد تین اور نظام فکر ظہور میں آئے :۔ رواقیت، ابیقوریت اور ارتیابیت اور اپنے اپنے دن پورے کر کے صفحۂ ہستی سے رخصت ہو گئے۔ بعثتِ عیسوی کے قریب یونانی تفکیر مروجہ فلسفی نظاموں سے اکتا کر کسی ایسے فکری نظام کی تلاش میں تھی جو روح کے گہرے تقاضوں کو پورا کر سکے۔ پروفیسر تھلی لکھتا ہے۔

"اب ہم تاریخ کی اُس منزل پر کھڑے ہیں جہاں فلسفہ مذہب کے دامن میں پناہ ڈھونڈھتا ہے...... ان (یعنی مروجہ نظاموں) میں سے کوئی نظامِ فلسفہ بھی تمام سوچنے سمجھنے والے اذہان کو طمانیت قلبی نہ بخش سکا۔ کچھ مزاجوں کے لئے یہ ناممکن تھا کہ عالم کو ذرات کا ایک میکانکی بازیچہ سمجھ لیں اور خلاقِ عالم کے متعلق تلاش و تجسس کے جذبہ کو نظرانداز کر دیں۔ نہ انھیں یہی یارا تھا کہ قلبی بے چینیوں کو خاموش کر کے ارادہ کلیہ کے ساتھ خود کو راضی کر لیں اور اس طرح رواقیت کی پیش کردہ تعلیم کے مطابق اپنے پاک اور معصوم قلب میں اطمینان و تقویت پا لیں اور نہ ہی متشکلین کی تشکیک کے باوجود وہ عرفانِ الٰہی کی آرزو کو دل سے نکال سکے .... خدائے تعالیٰ سے دوری کا احساس اور ایک بلند تر وحی و الہام کی خواہش دنیائے قدیم کی آخری صدی کے امتیازی خواص ہیں۔ اس سے پیدا شدہ تڑپ اور اشتیاق نے .... ایک بالکل نئی حکمت کی بنیاد ڈالی جس میں مذہبی عرفانیت کا بڑا عنصر شامل تھا اور اس طرح یونانی حکمت کا جس طرح مذہب سے افتتاح ہوا تھا اپنی طویل فکری تاریخ کے تمام کمالاتِ علیہ کے حصول کے بعد اس کا مذہب ہی پر خاتمہ ہو گیا........ ہم اس (نئی حکمت) مذہبی فلسفہ میں تین فکری دھارے متعین کر سکتے ہیں...... یہودی یونانی فلسفہ.... ..... نوفیثاغورثی فلسفہ اور افلاطونی تعلیمات کے مذہبی فلسفہ بنانے کی کوشش یا نوفلاطونیت۔

ان تمام مذاہب و عرفانیات میں چند امور مشترک ہیں :۔ خدا کی تنزیہہ و ماورائیت کا تصور، خدا اور کائنات کی ثنویت، معرفت خداوندی کے حصول کا الہامی و عرفانی تصور، زہد و ترک دنیا اور درمیانی

وسائط مثلاً ملائکہ و شیاطین کا عقیدہ "۔ ۵۱

ان تینوں نئے نظاموں میں سے صرف نوفلاطونیت کو دیرپائی نصیب ہوئی اور آخریں ارسطو کے جانشین بھی خود کو نوفلاطونی رنگ میں رنگے بغیر نہ رہ سکے۔

نوفلاطونیوں کی تین شاخیں تھیں، ایتھنز کی شاخ، اسکندریہ کی شاخ اور شامی شاخ۔ ایتھنز کا مدرسہ فلسفہ ۹ ۵۲ء میں قیصر جسٹینیان کے حکم سے بند کر دیا گیا اور فلاسفہ و معلمین جلا وطن کر دیئے گئے جنھوں نے نوشیرواں کے دربار میں جا کر پناہ لی۔ اس طرح پھر ایرانی اور یونانی حکمتوں کو باہمی اثر و تاثر کا موقعہ ملا۔ دسقیوس وغیرہ نے نوشیرواں کے درباری حکماء کو متاثر کیا اور خود بھی متاثر ہو کر رومن امپائر میں واپس ہوئے۔

اسکندریہ مسیحی تعصب کا بدترین گہوارہ تھا جہاں منطق و فلسفہ وثنیت کے مترادف سمجھا جاتا تھا اور متعصب مذہبی طبقہ فلاسفہ کی آزار رسانی میں کمربستہ رہتا تھا۔ ایسے ناسازگار حالات میں فلسفہ کی باطنی (Esoteric) تعلیم کے امکانات بہت کم تھے۔

لیکن نوفلاطونیت کی تینوں شاخوں میں سے عرفانیت اور تصوفیت پر سب سے زیادہ زور شامی شاخ نے دیا جس کا سربرآوردہ معلم ایامبلخس (Jamblicus) تھا۔ چنانچہ ولیم نیل لکھتا ہے:۔

"وہ (ایامبلخس) صرف شامی الاصل ہی نہیں تھا، بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر کا زیادہ حصہ بھی وہیں گزرا تھا۔ اس لئے اس کا فلسفہ مشرق سے بے حد متاثر ہوا .... وہ خالص فلسفی نہیں بلکہ ایک دینیاتی مفکر ہے ...... اس کے متخیلانہ فکر میں تصور کا ہر عنصر ایک الگ ہستی کی صورت اختیار کر لیتا ہے ...... اس کے ساتھ جدید فیثاغورثیوں کے انداز کا فلسفۂ اعداد بھی ہے .... ایامبلخس جس اندازِ فکر کا نمائندہ ہے وہ اس کے زمانہ سے لے کر جدید افلاطونی جماعت پر غالب رہا"۔ ۵۲

غرض بعثت اسلام کے قریب اشراقی فلسفہ کے دو مرکز تھے: ایران اور یونان (اسکندریہ، شام) اسلامی فتوحات کے بعد دونوں ملکوں کا علمی سرمایہ عربی میں منتقل ہوا مگر ایران کا علمی سرمایہ زندقہ کی تحریک کے

---

۵۱ F. Thilly History of philosophy P.108-109 ۵۲ مختصر تاریخ فلسفہ یونان ص ۲۸۶-۲۸۷

ساتھ وابستہ ہوگیا (یا سمجھا جانے لگا) اور زندقہ محض ایک مذہبی یا فلسفی تحریک ہی نہیں تھا بلکہ ایک خطرناک سیاسی و انقلابی تحریک تھا جس کا مقصد اسلام کی بیخکنی کے بعد ایرانی مجوسیت کا احیاء تھا اس لئے حکومت اور عوام دونوں اس سے بیزار تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زندقہ کی تحریک تو ناکام رہی ہی، اس سے تعلق کی بنا پر ایران کا قدیم کا علمی و حکمی سرمایہ بھی گوشۂ گمنامی میں ضائع ہوگیا۔

اسکندریہ کا مدرسہ بڑی کس مپرسی کے عالم میں رہا پہلے انطاکیہ پھر وہاں سے حران اور معتضد باللہ (۲۷۹ - ۲۸۹) کے عہد میں حران سے بغداد میں منتقل ہوا مگر اصلاً یہ مشائی تھا اور خود کو ارسطاطالیسی منطق کی تعلیم و توضیح کے لئے وقف کئے ہوئے تھا۔ شام کی نوفلاطونیت نے بھی عہد اسلام کی باطنی تحریکوں کو متاثر کیا ہو تو کیا ہو بظاہر عام علمی و فکری تحریکیں اس سے متاثر نہیں ہوئیں۔

یہ صورت حال تھی دوسری اور تیسری صدی ہجری میں۔ اموی خلفاء کو بیرونی علوم (یونانی حکمت و فلسفہ) سے علی العموم کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ عباسی خلفاء میں سے پہلے منصور (۱۳۶ - ۱۵۸ھ) نے اور پھر مامون الرشید (۱۹۸ - ۲۱۸ھ) نے یونانی علم و حکمت کی کتابوں کو ترجمہ کرا کر ملک میں مقبول بنانے کی کوشش کی مگر اس طرح جو علمی سرمایہ ترجمہ ہوا، وہ علوم طبیعیہ اور ارسطاطالیسی فلسفہ پر مشتمل تھا۔ اس طرح اسلامی فلسفہ کی تاریخ کی پہلی چار صدیوں میں اشراقی فلسفہ کا نام سننے میں نہیں آتا۔ غالباً باطنی (Esoteric) فلسفہ کے مراکز میں بصیغۂ راز اس کی کہیں تعلیم دی جاتی تھی۔

اشراقی فلسفہ کے سلسلہ میں سب سے پہلے شیخ بوعلی سینا (۳۷۰ - ۴۲۷) کا نام تاریخ نے محفوظ رکھا ہے، اس نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام "الحکمۃ المشرقیۃ" ہے۔ چنانچہ وہ کتاب الشفاء کے مقدمے میں لکھتا ہے کہ میں نے فلسفہ پر دو قسم کی کتابیں لکھی ہیں، ایک عام مذاق کے مطابق اور دوسری حقائق فلسفہ پر:

ولی کتاب غیر ہذین الکتابین اوردت فیہ الفلسفۃ علی ما ہی فی الطبع وعلی ما یوجبہ الرائی الصریح الذی لا یراعی فیہ جانب الشرکاء فی الصناعۃ	ان دو کتابوں (شفاء و لواحق) کے علاوہ میری ایک اور کتاب ہے جس میں میں نے فلسفہ کے ان حقائق کو بیان کیا ہے جو فی الحقیقت ایسے ہی ہیں اور جس کا غیر جانبدار فکر و نظر تقاضا کرتی ہے جو کہ اپنے ہم پیشہ لوگوں کی جنبہ داری

ولا يتقى فيهم من شق عصاهم ما يتقى في غيره
وهو كتابي في الفلسفة المشرقية وأما هذا
الكتاب فأكثر بسطاً وأشد مع الشركاء من
المشائين مساعدة ومن أراد الحق الذي
لا مجمجة فيه فعليه بطلب ذلك
الكتاب ومن أراد الحق على طريق فيه
ترض ما الى الشركاء وتبسط
كثير وتلويح بما لو فطن له
استغنى عن الكتاب الأخر فعليه
بهذا الكتاب۔ ۱؎

نہیں کرتی اور نہ اُن کے اختلاف رائے سے ڈرتی ہے جس طرح
وہ دوسرے انداز فلسفہ میں ڈرتی ہے اور اس موضوع پر میری
وہ کتاب ہے جو فلسفہ مشرقیہ پر ہے۔ رہی یہ کتاب (شفا) پس
یہ بہت زیادہ مبسوط ہے اور اپنے ساتھی مشائیوں کے ساتھ
بہت زیادہ موافق ہے لیکن جو ایسے حق کا جویا ہے جس میں
کوئی شک نہیں ہے تو اُسے اُس کتاب (حکمۃ مشرقیہ) کو طلب
کرنا چاہیئے جو اس نہج سے حق کا طلبگار ہو کہ ساتھی بھی راضی
رہیں اور شرح و بسط بھی زیادہ ہو اور اس طرح توضیح ہو کہ
اُسے سمجھنے کے بعد دوسری کتابوں سے بے نیاز ہو جائے
تو اُسے اس کتاب (شفا) کو طلب کرنا چاہیئے۔

شیخ ان دونوں مناہج فلسفہ یعنی مشائیت (مغربی فلسفہ) اور اشراقیت (مشرقی فلسفہ) میں دستگاہ کامل رکھتا تھا اور ۴۲۱ھ میں جبکہ وہ اصفہان میں علاء الدولہ ابن کاکویہ کے پاس مقیم تھا اور رصد بندی کے کام سے فارغ ہو چکا تھا اس نے ان دونوں مناہج (مشائیت و اشراقیت) کے مابین محاکمہ کیا اور "کتاب الانصاف" لکھی۔ چنانچہ ظہیر الدین بیہقی نے تتمہ صوان الحکمۃ میں اس کتاب کی تصنیف کے سلسلہ میں لکھا ہے:-

واشتغل بالرصد ثماني سنين ثم صنف
الشيخ كتاب الانصاف ووقعت محاربة
بين العميد أبي سهل الحمدوني ......
وبين علاء الدولة ۔ ۲؎

پھر شیخ رصد اور فلکی مشاہدات میں آٹھ سال مشغول رہا پھر
(۴۲۱ھ میں) اُس نے "کتاب الانصاف" تصنیف کی۔ اس کے
بعد (محمود غزنوی کے سپہ سالار) ابو سہل حمدونی ......
اور علاء الدولہ ابن کاکویہ میں جنگ چھڑ گئی۔"

اور ابن ابی اُصیبعہ نے اس کتاب (کتاب الانصاف) کے موضوع کے متعلق لکھا ہے

"كتاب الانصاف عشرون مجلدة شرح فيه

"کتاب الانصاف" بیس جلدوں میں ہے جس میں شیخ نے

۱؎ کتاب الشفاء ص ۶ ۲؎ تتمہ صوان الحکمۃ ص ۵۵

جمیع کتب ارسطاطالیس وانصف فیہ بین المشرقیین والمغربیین ضاع فی نہب السلطان مسعود"[۵۱]	ارسطو کی تمام کتابوں کی شرح کی ہے اور اس میں حکمار مشرق اور حکمائے یونان کے درمیان محاکمہ کیا ہے۔ یہ کتاب سلطان مسعود کی لوٹ مار میں ضائع ہوگئی۔

بیہقی بھی کہتا ہے کہ یہ کتاب ضائع ہوگئی۔ اگرچہ بعد میں اس نے سنا تھا کہ اس کا ایک نسخہ جامع مرو کے کتب خانہ میں ہے۔

"ثم نہب العمید ابوسہل الحمدونی مع جماعة من الاکراد امتعة الشیخ و فیہ کتبہ ولم یوجد من کتاب الانصاف الا اجزاء ثم ادعی عزیز الدین القفاعی الریحانی فی شہور سنة خمس واربعین وخمسمائة انی اشتریت منہ نسخة باصفہان وحملتہا الی مرو"[۵۲]	پھر عمید ابوسہل حمدونی نے کردوں کی ایک جماعت کے ساتھ شیخ کا مال ومتاع لوٹ لیا، اسی میں شیخ کی کتابیں تھیں اور کتاب الانصاف ضائع ہوگئی (اس) میں سے صرف چند اجزار ملے۔ پھر ۵۴۵ھ میں کتب خانہ مرو کے لائبریرین عزیز الدین فقاعی نے دعوٰی کیا کہ اس نے اصفہان میں اس کا ایک نسخہ خریدا جسے وہ مرو لے گیا۔

غرض بوعلی سینا شائی فلسفہ کے علاوہ اشراقی فلسفہ میں بھی کمال رکھتا تھا۔ اور اس بات سے اہل شرق کے علاوہ مشاہیر یورپی فلاسفہ بھی واقف تھے۔ چنانچہ راجر بیکن (۱۲۱۴ - ۱۲۸۰ء) نے جو قرون وسطیٰ کے یورپی فلاسفہ میں شیخ بوعلی سینا کا سب سے بڑا عقیدتمند تھا اور اسے ملک الحکمار کے نام سے یاد کرتا تھا، لکھا ہے:-

"پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابن سینا، ابن رشد اور دوسرے فلسفیوں نے ارسطو کے فلسفہ کو از سر نو زندہ کیا ..... خاص طور پر ابن سینا نے ارسطو کے فلسفہ کے ناقل اور شارح کی حیثیت سے اپنی بساط کے مطابق فلسفہ کو مکمل کیا اور تین جلدوں میں فلسفہ پر ایک کتاب لکھی جیسا کہ خود اس نے اپنی کتاب الشفار کے مقدمے میں لکھا ہے۔ ان میں سے ایک جلد عام لوگوں کے لئے ہے اور ارسطاطالیسی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے فلاسفہ (مشائین) کے انداز پر ہے، دوسری فلسفہ کے حقائق پر

[۵۱] طبقات الاطبار لابن ابی اصیبعہ جلد ثانی ص ۱۸۔ [۵۲] تتمہ صوان الحکمہ ص ۵۶

جو بقول اُس کے فلسفہ کی یہ حقیقتیں مخالفوں کے مطاعن کی پروا نہیں کرتیں (الفلسفة علی ماھی فی الطبع وعلی مایوجبه الرای الصریح الذی لا یراعی فیه جانب الشرکاء فی الصناعة ولا یتقی فیه من شق عصاهم) اور تیسری جلد کو ابن سینا نے اپنی عمر کے آخری زمانہ میں مرتب کیا۔ اس جلد میں اُس نے پہلی دو جلدوں کے مباحث کی وضاحت کی.... لیکن ان میں سے دو جلدوں کا ترجمہ نہیں ہوا۔ لاطینی بولنے والوں کو پہلی جلد کے بعض حصوں کے ترجمے ملے جیسے Assapha اور کبھی Assipha کے نام دیئے گئے۔" [۵۱]

ظاہر ہے پہلی جلد سے بیکن کی مراد "کتاب الشفا" دوسری سے "کتاب الحکمة المشرقیه" اور تیسری سے "کتاب الاشارات والتنبیہات" ہے جسے ابن ابی اصیبعہ نے آخری تصنیف بتایا ہے۔

"کتاب الاشارات والتنبیہات وھی آخر ما صنف فی الحکمة واجوده و کان یضن بھا۔" [۵۲]

بہرحال شیخ کی "الحکمة المشرقیه" کا حوالہ مورخین و تذکرہ نویسوں نے دیا ہے۔ ابن ابی اصیبعہ اُس کی مصنفات کے ذکر میں لکھتا ہے:-

"وللشیخ الرئیس من الکتب .... کتاب الحکمة المشرقیه لا یوجد تاما۔" [۵۳]

لیکن زیادہ تفصیلی حوالہ ظہیر الدین بیہقی نے تتمہ صوان الحکمہ میں دیا ہے۔

"واما الحکمة المشرقیه بتمامها والحکمة العرشیة فقال الامام اسماعیل الباخرزی انهما فی بیوت کتب السلطان مسعود بن محمود بغزنة حتی احرقها ملك الجبال الحسین وعسکر الغور والغزنة فی شهور سنة ست واربعین وخمسمائة۔" [۵۴]

رہی مکمل حکمۂ مشرقیہ اور حکمۂ عرشیہ تو امام اسماعیل باخرزی کا کہنا ہے کہ وہ سلطان مسعود بن محمود کے غزنی کے کتب خانہ میں موجود تھیں اور اس وقت تک وہاں رہیں جب تک کہ ۵۴۶ھ میں علاء الدین حسین جہانسوز اور اُس کے لشکر نے جو غوریوں اور غزنویوں پر مشتمل تھا اسے جلا ڈالا۔

---

[۵۱] معارف جون ۱۹۵۹ء ص ۴۴۲-۴۴۳ [۵۲] طبقات الاطباء جلد ثانی ص ۱۹ [۵۳] ایضاً ص ۱۹ [۵۴] تتمہ صوان الحکمہ ص ۵۶

یہ کتاب (الحکمۃ المشرقیہ) اُن علمی حلقوں میں جہاں باطنی فلسفہ کے ساتھ خصوصیت سے ذوق تھا بڑی مقبول ہوئی یہاں تک کہ اسپین پہونچی اور شاید وہیں سے یورپ پہونچی جہاں راجر بیکن کے مطالعہ میں آئی لیکن اسپین کے فلسفی حلقے اس کتاب سے خصوصی عقیدت رکھتے تھے چنانچہ ابن طفیل رسالہ "حی بن یقظان" میں بڑے عقیدت و احترام کے ساتھ اس کتاب کا ذکر کرتا ہے:۔

سألت ایھا الاخ الکریم الصفی الحمیم	اے شریف بھائی اور پاک دوست اللہ تعالیٰ تجھے بقائے
منحک اللہ البقاء الابدی واسعدک	ابدی عنایت کرے اور سعادت سرمدی ارزانی فرمائے
السعد السرمدی ان ابث الیک ما	تو نے مجھ سے خواہش ظاہر کی ہے کہ میں اپنے مقدور بھر
امکننی بثہ من اسرار الحکمۃ المشرقیۃ	تیرے واسطے حکمۃ مشرقیہ کے اسرار و رموز کو ظاہر کروں
التی ذکرھا الشیخ الامام الرئیس ابو علی	جن کا شیخ امام رئیس ابو علی بن سینا نے ذکر
بن سینا۔" ؎۱	کیا ہے۔

اور ابن رشد بھی باوجودیکہ وہ ابن سینا کو زیادہ خاطر میں نہ لاتا تھا "تہافت التہافت" (بجواب تہافت الفلاسفہ امام غزالی) میں اس کا حوالہ دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

وقد رائینا فی ھذا الوقت کثیراً من اصحاب	ہم نے اس زمانہ میں بو علی سینا کے بہت سے متبعین کو دیکھا ہے .....
ابن سینا...... قالوا انہ لیس یری ان ھھنا	وہ کہتے ہیں کہ شیخ کی یہ رائے نہیں تھی کہ کوئی جوہر مجرد بھی ہے۔ ان کا
مفارقاً و قالوا ان ذلک یظھر من قولہ فی واجب	کہنا ہے کہ متعدد مقامات پر واجب الوجود کے بارے میں اُس نے
الوجود فی مواضع وانہ المعنی الذی اودعہ	جو کچھ لکھا ہے اُس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ وہ حقیقت ہے
فی فلسفتہ المشرقیۃ قالوا وانما سماھا فلسفۃ	جسے اُس نے اپنے فلسفۂ مشرقیہ میں ودیعت کیا ہوا ہے اُس نے اس فلسفہ
مشرقیۃ لانھا مذھب اھل المشرق" ؎۲	کا نام فلسفۂ مشرقیہ اسوجہ سے رکھا کہ یہ اہل مشرق کا فلسفہ ہے

لیکن بعد میں یہ کتاب جیسا کہ بیہقی نے لکھا ہے ۵۴۶ھ میں ضائع ہو گئی۔ البتہ اس کا وہ حصہ جو منطق پر تھا بچ رہا۔ ؎۳

؎۱ رسالہ حی بن یقظان لابن طفیل ص ۲ ؎۲ تہافت التہافت لابن رشد (مطبوعہ مصر) جزء ثانی ص ۱۰۴

؎۳ اسی وجہ سے ابن ابی اُصیبعہ کہتا ہے "لا یوجد تاماً"۔

یہ جزء جسے از راہ استخفاف و از دراہ شہاب الدین سہروردی "کراریس" (اوراق) سے تعبیر کرتا ہے خود سہروردی کے مطالعہ میں بھی رہ چکا تھا۔ چنانچہ "المطارحات" (المشرع الثانی) میں لکھتا ہے

"ولھذا اقتوح الشیخ ابو علی ابن سینا	اور اسی وجہ سے شیخ ابو علی ابن سینا نے اُن اوراق میں جنھیں
فی کراریس نسبھا الی المشرقیین توجد	اُس نے اہل مشرق کی طرف منسوب کیا ہے اور جو غیر مکمل
متفرقة غیر تامة بانھا......"	اور منتشر پائے جاتے ہیں یہ اختراع کی ہے کہ......

غالباً شیخ بو علی سینا کی "الحکمۃ المشرقیہ" یا علی الاقل اس کا وہ جزء جو منطق پر تھا صدرالدین شیرازی کے مطالعہ میں بھی رہا ہے مگر وہ باوجود شہاب الدین سہروردی کا عقیدتمند ہونے کے شیخ کے از دارہ استخفاف میں اُس کا ہمنوا نہیں ہے اسی لئے وہ شرح حکمۃ الاشراق کے حاشیہ میں لکھتا ہے :-

"اقول ھذہ الکراریس موجود عندنا	میں کہتا ہوں کہ یہ کراریس (اوراق) ہمارے پاس موجود
ولیس المذکور فیہ کما ذکر بل کما	ہیں اور جس طرح سہروردی نے نقل کیا ہے ان میں نہیں
ذکرنا۔	لکھا بلکہ اس طرح لکھا ہے جیسے ہم نے ذکر کیا ہے۔

صدرائے شیرازی کی تصریح سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سہروردی نے خود پسندی و انانیت کی بنا پر ان "کراریس" (الحکمۃ المشرقیہ یا اُس کے جزء) کا کماحقہ مطالعہ بھی نہیں کیا تھا۔ اس تمام تفصیل سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ :-

(۱) اشراقی فلسفہ کے بانی خود شہاب الدین سہروردی کے نزدیک قدیم ایرانی و یونانی فلاسفہ ہیں۔ وہ خود کو فلسفہ اشراق کا بانی نہیں سمجھتا۔ لہذا ڈاکٹر ویبٹ کوکن کا یہ کہنا غلط ہے

"Suhrawardi founded a new school of Philosophy among the Muslims, known as the Philosophy of Ishraq (illumination). Hence he is styled as Shaikh-al-Ishraq.

(۲) شہاب الدین سہروردی کی حکمۃ الاشراق سے پہلے شیخ بو علی سینا کی "الحکمۃ المشرقیہ" اسی موضوع پر ظہور میں آ چکی تھی اور مشرق و مغرب کے حکماء و فلاسفہ سے خراجِ عقیدت وصول کر چکی تھی۔ ممکن ہے ابن سینا

کی "الحکمۃ المشرقیہ" کے جواب ہی میں سہروردی نے "حکمۃ الاشراق" لکھی ہو۔ [۱]

(۳) سہروردی کی حکمۃ الاشراق کے بعد اس کا نام نہیں سُنا جاتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حکمۃ الاشراق نے اس کی اہمیت و عظمت کو ماند کر کے اُسے گوشۂ گمنامی میں ڈلوا دیا تھا بلکہ مشرق میں اُس کا غالباً واحد مکمل نسخہ ۵۴۹ھ میں جلکر تباہ ہوگیا۔

رہی یہ بات کہ اُسے عام شہرت نصیب کیوں نہیں ہوئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خود شیخ اُسے نااہلوں سے بچانا چاہتا تھا وہ تو "الاشارات والتنبیہات" کو بھی جو بقول بیکن "الحکمۃ المشرقیہ" کے بہت سے اسرار پر مشتمل ہے، عوام کی دسترس سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا چنانچہ اُس نے اس کے آخر میں لکھا ہے:۔

ایہا الاخ انی قد مخضت لك فی ھذہ الاشارات عن زبدۃ الحق والقمتك قفی الحکم فی لطائف الکلم فصنہ عن الجاهلین والمتبذلین و من لم یرزق الفطنۃ الوقادۃ والدریۃ و العادۃ وکان صفاہ مع الغاغۃ او کان من ملحدۃ ھؤلاء المتفلسفۃ و من ھمجھم .... فان اذعت ھذا العلم او اضعتہ فاللہ بینی وبینك وکفی باللہ وکیلا" [۲]

اے بھائی میں نے تیرے لئے ان "اشارات" میں حقائق کا مغز نکال کر رکھ دیا ہے اور تجھے لطیف کلمات میں مختار اور پسندیدہ حکمتیں پیش کی ہیں پس تو انھیں محفوظ رکھ جاہلوں سے اور علم کو حقیر سمجھنے والوں سے اور ان لوگوں سے جنہیں فطانت و ذہانت نصیب نہیں ہوئی اسی طرح تنگ نظر مقلدوں سے اور ان ملاحدہ متفلسفہ سے اور اُن کے اسافل سے .... پس اگر تو نے اس علم کا راز فاش کیا یا اسے نااہلوں میں ضائع کیا تو میرا تیرا فیصلہ اللہ تعالےٰ کرے گا اور وہی وکیل کی حیثیت سے کافی ہے۔

مگر جب امام رازی نے اس کی تنقیدی شرح لکھ کر پرخچے اڑا دیئے تو اُنھوں نے یا اُن کے معتقدین نے اُن کی شہرت کے لئے اُسے شائع کر دیا۔

(۴) سہروردی اپنے جذبۂ انانیت و خود پسندی کی وجہ سے بو علی سینا کی "الحکمۃ المشرقیہ" کا انددار کرتا ہے ورنہ اُس کا (الحکمۃ المشرقیہ کا) جو جزء (منطق المشرقیین) بچ رہا تھا، بعد کے سنجیدہ اہل فکر بھی اس کی عظمت و اہمیت

---

[۱] جیساکہ دونوں ناموں کی مماثلت سے معلوم ہوتا ہے دونوں ناموں کا مفہوم ایک ہی ہے [۲] شرح اشارات طوسی (مطبوعہ مصر) ص۲۱۱

کے معترف رہے جیسا کہ صدرائے شیرازی کی عبارت سے ظاہر ہے۔

شیخ الاشراق کا لقب سہروردی نے اپنی خود پسندی و انانیت کے باوجود خود کو "شیخ الاشراق" کے لقب سے موسوم نہیں کیا۔ اس کے برعکس وہ "امام الحکمۃ و رئیسنا" اور "صاحب الاید و النور" کے القاب سے افلاطون کو یاد کرتا ہے۔[۵۱] سہروردی کو "شیخ الاشراق" کا لقب بعد کے لوگوں نے دیا ہے، چنانچہ قطب الدین شیرازی نے "شرح حکمۃ الاشراق" میں متعدد مقامات پر اس لقب سے اُن کا ذکر کیا ہے مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک خصوصاً شُراحِ حکمۃ الاشراق کی نظروں میں فلسفۂ اشراق پر کوئی اور کتاب "حکمۃ الاشراق" کے علاوہ تھی ہی نہیں چنانچہ قطب الدین شیرازی نے شرح حکمۃ الاشراق میں کہیں ابن سینا کی "الحکمۃ المشرقیۃ" کا حوالہ نہیں دیا صرف توطیۂ مقصد کے لئے اس کتاب کی عظمت و جلالت کے واسطے مبہم اور مجمل طور پر دوسری کتابوں کو اس سے فروتر بتایا ہے۔

"ان المختصر الموسوم بحکمۃ الاشراق....	یہ کہ مختصر متن جو حکمۃ اشراق کے نام سے موسوم ہے
.... وان کان صغیر الحجم وجیز النظم	.... اگرچہ حجم میں چھوٹا ہے اور باعتبار نظم
فھو کثیر العلم عظیم الاسم جلیل الشان	کے مختصر ہے با ایں ہمہ وہ علم سے بھرپور ہے، اُس
واضح البرھان لا یعرف علی وجہ الارض	کا بڑا نام ہے، بڑی شان ہے، اس کے دلائل واضح
فیما بلغنا کتاباً فی النمط الالٰھی والنھج	ہیں، روئے زمین پر جہاں تک ہمیں علم ہے "نمط الٰہی" اور
السلوکی اشرف منہ و اعظم ولا انفس	"نہج سلوکی" میں اُس سے شریف تر یا عظیم تر یا نفیس تر
وا تم"[۵۲]	یا کامل تر کتاب کوئی نہیں ہے۔

لہٰذا "حکمۃ الاشراق" کے مصنف کو انھوں نے "شیخ الاشراق" کے نام سے یاد کیا ورنہ جب تک شیخ کی "الحکمۃ المشرقیہ" لوگوں کے علم میں رہی تو اُسے بھی نہایت عقیدتمندی کے ساتھ یاد کیا گیا، مثلاً ابن طفیل کہتا ہے:

"اسرار الحکمۃ المشرقیۃ التی ذکرھا الشیخ الامام الرئیس ابو علی بن سینا"

شیخ الاشراق کا واقعی مستحق کون ہے، یہ مسئلہ اپنی جگہ عسیر الجواب ہے۔ متقدمین میں افلاطون بلا کسی نزاع کے "خاتم اہل الحکمۃ الذوقیہ" کہا جاتا ہے۔ متاخرین میں اشراقی فلسفہ کے اساطین دو ہیں، ایک شیخ الرئیس ابن سینا، دوسرا

---

[۵۱] اور قطب الدین شیرازی نے تو اسے "خاتم اہل الحکمۃ الذوقیہ" کا نام دیا ہے (شرح حکمۃ الاشراق ص ۱۷، سطر ۲)

[۵۲] شرح حکمۃ الاشراق ص ۳

شہاب الدین سہروردی مقتول۔ شیخ بوعلی سینا "الحکمۃ المشرقیہ" کا مصنف ہے۔ مشائی و اشراقی فلسفہ میں بیک وقت دستگاہِ عالی رکھتا تھا یہاں تک کہ دونوں کے محاکمہ پر "الانصاف" بیس جلدوں میں لکھی، ابن طفیل جو خود اساطین حکما اسلام میں سے ہے اُسے "الشیخ الامام الرئیس" کہتا ہے۔ شہاب الدین سہروردی "حکمۃ الاشراق" کا مصنف ہے، حکمۃ بحثیہ (مشائی فلسفہ) اور حکمۃ ذوقیہ (اشراقی فلسفہ) دونوں میں توغل تھا اور دونوں حکمتوں پر مشتمل حکمۃ الاشراق لکھی۔ قطب الدین شیرازی جو بعد کے مشاہیر معقولیوں میں ہیں اُسے "شیخ الاشراق" کہتے ہیں۔

"الحکمۃ المشرقیہ" اور "حکمۃ الاشراق" کے مقابلہ کا سوال بیکار ہے، اسی طرح "الانصاف" اور "حکمۃ الاشراق" میں موازنہ کا سوال بے سود ہے کیونکہ "الحکمۃ المشرقیہ" اور "الانصاف" دونوں ضائع ہوچکے ہیں[۱]۔

---

[۱] اگرچہ اب بھی بعض لوگوں کو خوش فہمی ہے کہ الحکمۃ المشرقیہ موجود ہے۔ چنانچہ ایک نسخہ کتب خانہ ایا صوفیہ استانبول (نمبر ۴۸۰۳) میں بتایا جاتا ہے مگر جب اشٹینفیلڈ نے جاکر اسے دیکھا تو معلوم ہوا کہ کتاب النجاۃ قسم کا کوئی رسالہ ہے۔ دوسرا مخطوط بوڈلین اکسفورڈ میں ہے جو عبرانی خط میں ہے اس میں چار رسالے ہیں۔ چوتھے رسالہ کا عنوان "جزء من الطبیعیات من کتاب الفلسفۃ المشرقیین" ہے مگر جب بعد میں تحقیق کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یا تو یہ طبیعیات شفاء کا جزء ہے یا جعلی و منحول ہے ایک تیسرا مخطوط لندن میں اور چوتھا برٹش میوزیم میں ہے۔ ان میں تصوف پر شیخ کے کچھ رسالے ہیں۔ ان رسالوں کے عربی متون میہرن نے "رسائل ..... فی اسرار الحکمۃ المشرقیہ" کے عنوان سے شائع کر دیا حالانکہ مخطوط میں اس کا ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ہے اس کے بعد علامہ اقبال نے اس مجموعہ کو شیخ کی الحکمۃ المشرقیہ سمجھ لیا اور اس کی مدد سے فلسفۂ عجم میں شیخ پر مضمون لکھ ڈالا چنانچہ فرماتے ہیں:-

'His work called Eastern philosophy is still Extent, and there has also come down to us a fragment in which the philosopher has expressed his views on the universal operation of love in nature.

حالانکہ جسے وہ الحکمۃ المشرقیہ کا جزء سمجھ رہے تھے وہ "رسالۃ فی ماہیۃ العشق" تھا جسے شیخ نے ابو عبداللہ معصومی کے لئے لکھا تھا۔ یہ رسالہ (رسالۃ فی ماہیۃ العشق) "جامع البدائع" کے ضمن میں مصر سے شائع ہوچکا ہے۔ حال ہی میں جو طہران میں شیخ کی ہزارسالہ جوبلی منائی گئی تھی، اس میں شیخ کی تصانیف پر جو مقالہ لکھا گیا اس میں "الحکمۃ المشرقیہ" کے ان مزعومہ مخطوطات کو پھر دوہرایا گیا اور گذشتہ سال طبیہ کالج میگزین علی گڑھ کے شیخ الرئیس نمبر میں اڈیٹر نے جو (باقی ص۸۶ پر)

بہرحال جذبۂ عقیدتمندی کے تحت جو بھی القاب اپنے ممدوحوں کو کوئی دے، شیخ الرئیس بو علی سینا کے مقابلہ میں شہاب الدین سہروردی کو "شیخ الاشراق" کا لقب علی الاطلاق نہیں دیا جا سکتا۔[۵]

اور آخری چیز یہ ہے کہ خود سہروردی مقتول اور اُس کے عقیدتمندوں کے نزدیک اُس کی عظمت و جلالت "خالص اشراقی" ہونے کی بنا پر نہیں ہے، جیسا کہ سابق میں تحریر ہو چکا ہے بلکہ بیک وقت اُس کے اشراقی و مشائی ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس لئے اس کا "شیخ الاشراق" ہونا بھی (جو بجائے خود مبحوث عنہ ہے) اُس کے مشائی ہونے میں مانع نہیں ہے۔

---

۵ اور ڈاکٹر یوسف کوکن کے استدلال کے مطابق تو سہروردی کسی طرح "شیخ الاشراق" کے لقب کا مستحق نہیں ہے کیونکہ اُن کے نزدیک سہروردی کے "شیخ الاشراق" کہلائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے فلسفۂ اشراق کی بنیاد ڈالی تھی۔ "اسی لئے وہ شیخ الاشراق کہلاتا ہے- Hence hi is styled as shaikh-al-Ishraq" - لیکن یہ یقیناً غلط ہے کہ وہ فلسفۂ اشراق کا بانی ہے - لہٰذا وہ شیخ الاشراق بھی نہیں کہلایا جا سکتا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۵ - مقالہ "تصانیف شیخ الرئیس" کے عنوان سے لکھا اُس میں بھی ان مزعومہ مخطوطات کے نام کا اعادہ کر دیا گیا۔ البتہ الحکمۃ المشرقیہ کا وہ جزو جو منطق پر ہے ہنوز موجود ہے اور ۱۳۲۸ھ میں قاہرہ سے "منطق المشرقیین" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

وحی الٰہی

وحی اور اس سے متعلقہ مباحث پر محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ کے ایک ایک پہلو پر ایسے دلپذیر و دلکش انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت کا نقشہ آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل میں سماجاتا ہے اور حقیقت وحی سے متعلق تمام خلشیں صاف ہو جاتی ہیں۔ اندازِ بیان نہایت صاف اور سلجھا ہوا۔ تالیف مولانا سعید احمد ایم اے۔ کاغذ نہایت اعلیٰ۔ کتابت نفیس ستاروں کی طرح چمکتی ہوئی۔ طباعت عمدہ۔ صفحات ۲۰۰ قیمت ۳ مجلد ۴

ندوۃ المصنفین - اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶